Negotiations 2:1 (2022) pp. 63-74 **ISSN: 2789-293X**

جعفر طاہر کے حالاتِ زندگی: تحقیقی جائزہ

Biography of Tahir Jafir: A Research Study

Khalid Mehmood
PhD Scholar (Urdu), G.C University, Faisalabad.
Muhammad Afzal Hameed
Associate Professor, Urdu, G.C University, Faisalabad.

KEYWORDS

Jafar Tahir
Cantos
Living Condition
Biography of Life
Majeed Amjad
Poetry

DATES

Received 07-01-2022
Accepted 07-02-2022
Published 20-03-2022

QR CODE

ABSTRACT

Jafar Tahir is a modern day poet who did not get the attention he deserved. In addition to ghazals, he tried his hand at many genres, including cantos. Jafar's living conditions are as unknown as his poetry. Some critics and researchers have tried to bring this poet before Majeed Amjad's peers. Some research theses were also compiled on Jafar Tahir. Some great writers like Intezar Hussain, Khawaja Muhammad Zakaria, and Dr. Anwar Sadid wrote about Jafar, and especially Sher Afzal Jafari and Safdar Saleem Sial. But the living conditions of this great poet did not become popular in the eyes of the readers; the article under review is an attempt to compile the biography of this great poet.

DOI:https://doi.org/0.54064/negotiations.v2i1.45

ولادت اور خاندانی احوال

اہلِ جھنگ سے "سید الشعرا" اور شیر افضل جعفری سے "فرعون الشعرا" کا لقب پانے والے نابغۂ روزگار، قادر الکلام شاعر ہفت زبان جعفر طاہر ۲۹ مارچ ۱۹۱۷ء کو جھنگ کے ایک دیندار، شریف النفس اور قدرے شاعرانہ ماحول کے حامل گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام آپ کے دادا سید

حسن شاہ نے حق احمد مرتضیٰ رکھا لیکن بعد میں آپ کے والد سید نور شاہ نے بدل کر جعفر علی شاہ رکھ دیا۔[1] یہی جعفر علی شاہ آگے چل کر ادب کے میدان میں جعفر طاہر کے نام سے مشہور ہوئے۔ شیر افضل جعفری "جھنگ" شہر کو آپ کی جنم بھومی بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: "ہمارے چھیل چھبیلے شاعر اور اُردو ادب کے کالی داس نے چنھاں کنارے کے البیلے شہر جھنگ سیال میں جنم لیا اور اس قمری شمشاد قلم نے اسی کشمیر حسن و وفا میں پرورش پائی"[2]

جعفر طاہر کا شجرہ نسب اٹھارہویں پشت میں حضرت شیر شاہ جلال سرخ بخاری سے جا ملتا ہے۔[3] جو مغل بادشاہ اکبر اعظم کے زمانے میں ہندوستان میں ایک دیندار، مذہبی شیفتگی کے حامل صوفی بزرگ تھے اور سرخ رنگ کا لباس زیب تن رکھنے کی وجہ سے سرخ بخاری کہلاتے تھے۔ سرخ بخاری اُچ شریف کے رہنے والے تھے۔ ان کا مزار اُچ شریف میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ سید شیر شاہ جلال سرخ بخاری کے پانچ بیٹے تھے، جو سید احمد کبیر شاہ، سید محمد غوث شاہ، سید علی شاہ، سید جعفر شاہ اور سید معصوم شاہ کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ان میں جعفر طاہر کا سلسلۂ نسب سید محمد غوث شاہ سے جا ملتا ہے۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ان کے آباؤ اجداد میں سے سید امیر شاہ اور سید پیر شاہ اُچ شریف سے ہجرت کر کے احمد پور سیال آئے اور یہیں آباد ہو گئے۔ اس خاندان کا سلسلہ پیری مریدی بھی چلتا تھا۔ اس لیے احمد پور سیال میں انہیں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ کچھ پشتوں تک یہ خاندان احمد پور سیال میں شرف و فضیلت کا حامل رہا تو ایک وقت ایسا آیا جب اسی معتبر اور دیندار گھرانے کے ایک فرد کی بے چین طبیعت کو یہاں سکون نہ ملا اور کچھ ملازمت کی مجبوریاں بھی اسے کوچ کرنے پر مجبور کر رہی تھیں اور شاید سسرال کی محبت بھی کارفرما ہو سکتی ہے۔

اس سلسلے میں پروین اختر اپنے مقالے "جعفر طاہر۔ احوال و آثار" میں لکھتی ہیں: "اسی معتبر، باعزت اور دیندار گھرانے کے ایک فرد کی بے چین طبیعت کو یہاں سکون نہ ملا اور وہ وہاں سے جھنگ شہر میں آیا۔ اس شخص کا نام سید نور شاہ تھا"[4]

صفدر سلیم سیال کا کہنا ہے: "۱۹۵۰ء میں ان کی ایک بیٹی حسینہ بی بی بھی کو زہر خورانی سے ہلاک کر دیا گیا اور یہی واقعہ۔۔۔ سید نور شاہ کی مستقل جھنگ ہجرت کا سبب بنا"[5]

صفدر سلیم سیال کے بیان کردہ واقعہ کی تصدیق میں سلیم تقی شاہ لکھتے ہیں: "واقعہ کی تصدیق احمد پور سیال کے رہائشی غلام عباس خان (ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر) کے ون ایکٹ پلے "حسینہ" سے بھی ہوتی ہے۔ جو انھوں نے ایمرسن کالج ملتان کے مجلہ "نخلستان" (۵۵۔۱۹۵۴ء) کے لیے لکھا۔ اس ڈرامے میں تمام واقعے کو بڑی فن کارانہ مہارت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ بیٹی کے قتل کے بعد سید نور شاہ نے احمد پور سیال کو خیر باد کہا اور جھنگ سٹی میں مستقل سکونت اختیار کر لی"[6]

---

[1] انور سدید، **"سید جعفر طاہر"** (لاہور: ماہنامہ اوراق، شمارہ 04/ اپریل-مئی 1982ء)، 200۔

[2] جعفر طاہر، "خود نوشت حالات زندگی" (لاہور: نیرنگ خیال غزل نمبر، شمارہ 529-530/ نومبر 1970ء)، 222۔

[3] عابد علی عابد، **صحیفہ**، اپریل 1963ء

[4] محمود الرحمان، **جنگ آزادی کے شعراء** (اسلام آباد: قومی ادارہ برائے تحقیق و تاریخ و ثقافت، 1986ء)، 390۔

[5] طاہر تونسوی، **تخلیق**، جولائی 1977ء

[6] سید عبد اللہ، **سخن ور (نئے اور پرانے) حصہ دوم** (لاہور: اردو نگر اشاعت اول، 1981ء)، 218۔

لہٰذا صفدر سلیم سیال کے بتائے گئے واقعہ میں حقیقت جھلکتی نظر آتی ہے۔ سید جعفر طاہر کے والد سید نور شاہ نے ۱۹۱۰ء میں ملتان سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور بہ طور پٹواری جھنگ، رحیم یار خان اور ریاست بہاولپور میں تعینات رہے۔ ۱۹۱۲ء میں سید نور شاہ کی شادی جھنگ شہر میں مقیم ان کے ایک عزیز سید نور شاہ کی بیٹی مبارک بی بی سے ہوئی۔[7] جن کو جعفر طاہر کی والدہ بننے کا اعزاز ملا۔ محترمہ مبارک بی بی پرائمری پاس تھیں۔ لیکن ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ انہیں گفتگو کرنے کا سلیقہ آتا تھا۔ مزاج عالمانہ اور شاعرانہ تھا۔ ان کے بارے میں پروین اختر لکھتی ہیں: "گلستان و بوستان پر عبور رکھتی تھیں اور ان کی زبان بڑی شستہ اور فصیح تھی۔ اتنی خوش گفتار تھیں کہ بات کرتیں تو گویا منہ سے پھول جھڑتے اور سننے والے جھولیاں بھر بھر کر لے جاتے۔۔۔ وہ شاعرہ تو نہیں تھیں لیکن مزاج قدرے شاعرانہ اور عالمانہ تھا"[8]

جعفر طاہر کو خوش گفتاری اور شوقِ مطالعہ ماں کی طرف سے ورثے میں ملے۔ اُن کے شاعرانہ مزاج کی تربیت ان کی والدہ کے زیر اثر ہوئی تھی۔ جس میں وقت کے ساتھ ساتھ نکھار آتا چلا گیا۔ سلیم تقی شاہ لکھتے ہیں: "جعفر طاہر کا فارسی زبان سے لگاؤ، مطالعے کی عادت اور شاعرانہ مزاج کو جلا بھی والدہ ہی کی صحبت نے بخشی"[9]

مذہب اس گھر کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ جعفر طاہر کا بچپن جس ماحول میں پھلا پھولا اس پر مذہب کی گہری چھاپ تھی۔ اسی بات کا نتیجہ تھا کہ اوائل عمری میں ہی انیس و دبیر کا مطالعہ کر لیا اور متعدد مرثیے زبانی یاد تھے۔

جعفر طاہر کی ولادت کے بعد ان کے سترہ بہن بھائی پیدا ہوئے۔ لیکن صرف ایک بھائی اور تین بہنوں کو ہی زندگی کے بیشتر سال ان کے ساتھ گزارنے کا موقع ملا۔ جعفر طاہر اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔[10] ان کے دوسرے بھائی سید باقر علی شاہ پنجاب پولیس میں سب انسپکٹر تھے۔ خاندانی ناچاقیوں کی بنا پر دشمن کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ جس کا صدمہ جعفر طاہر کو مرتے دم تک رہا۔ اس کا اظہار یوں کرتے ہیں:

پھر گئی آنکھوں میں طاہر نوجواں بھائی کی لاش
جب سنا میں نے کہیں اِک بے خطا مارا گیا[11]

تعلیم

جعفر طاہر بچپن ہی سے بہت ذہین واقع ہوئے تھے۔ انہیں حافظہ اور ذہانت جیسی صلاحیتیں فراخی سے عطا ہوئی تھیں۔ وہ بچپن سے ہی علم کی منازل طے کرنے لگے اور اپنے دوستوں اور ہم جماعتوں میں ممتاز اور نمایاں ہو گئے۔ مطالعہ کتب ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ وہ ہر وقت کتابوں میں گم رہتے۔

---

[7] ایضاً

[8] غلام محمد ثاقب، **غیر مطبوعہ مضمون "کینٹو نواز جعفر طاہر"** مملوکہ ڈاکٹر محمد افضل حمید

[9] سلیم تقی شاہ، **انٹرویو ندیم طاہر دختر جعفر طاہر**، جھنگ: مورخہ 94-8-26

[10] **اوراق**، لاہور: جدید نظم نمبر، جولائی اگست 1977ء، ص84

[11] **دائلی، کراچی** (شمارہ 11 / مئی 1988ء)، 13۔

ظفر علی خان سیال اپنے مقالہ ''جھنگ کے اُردو شعرا'' میں لکھتے ہیں: ''ماں باپ نے خاندانی شرافت، آبائی علم و غیرت اور سپاہیانہ شجاعت کا رس گوتی میں گھول دیا۔ کسے معلوم تھا کہ بچہ کئی منازل طے کر کے ہفت کشور تسخیر کرے گا اور ہفت آسماں پر کمند ڈالے گا''[12]

شیر افضل جعفری لکھتے ہیں:

''تشنہ کربلا کے لقمان شمائل پوتے نے علم و فن کے بحر بے پایاں میں اپنی عمر عزیز کا جہاز لنگر انداز کر کے بڑی بے تحاشگی سے آب کتاب پینا شروع کیا اور سبو پہ سبو اور خم پہ خم چڑھاتا رہا لیکن پیاس تھی کہ بجھنے میں نہ آتی تھی۔ حافظہ تھا کہ سیر ہونے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ پنجابی، سرائیکی، سندھی، پوٹھوہاری، اُردو، بنگالی، انگریزی، عربی، فارسی، تاریخ، جغرافیہ، نظم، نثر، راگ، نرت، طال، طبلہ غرض یہ کہ جس زبان، جس علم، جس فن، جس ہنر پر دل آیا اسے انتہا تک حاصل کرنے کی پوری کوشش کی اور اس ضمن میں کامیاب بھی رہے۔ جو کچھ بھی پڑھا تھا تقریباً یاد تھا۔ حتیٰ کہ کتابوں کے مصنفین کے اسماء، صفحات کی تعداد، قیمت اور ملنے کے پتے تک ازبر تھے''[13]

جعفر طاہر نے پرائمری تعلیم ایم۔بی پرائمری سکول جھنگ شہر سے حاصل کیا۔ مڈل کا امتحان ایم۔بی پرائمری سکول جھنگ شہر سے پاس کیا۔ میٹرک اور ایف اے کا امتحان گورنمنٹ انٹر میڈیٹ کالج جھنگ سے پاس کیا۔[14] میٹرک اور ایف۔اے کے بعد ۱۹۳۹ء میں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا اور ادیب فاضل کے امتحانات بھی پاس کیے اور ۱۹۴۰ء میں بی۔اے کا امتحان پرائیویٹ امیدوار کی حیثیت سے پاس کیا اور پھر ٹریننگ سنٹر ملتان میں ٹیچر بھرتی ہو گئے۔[15] کہنے کو تو پرائیویٹ بی۔اے پاس تھے لیکن علم اور وسعت مطالعہ میں وہ کئی منازل طے کر چکے تھے اور اپنے ہم عمر ساتھیوں اور ہم جماعتوں کو بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ شیر افضل جعفری لکھتے ہیں: ''سکول کے زمانہ میں ان پر مطالعہ کا شوق جن کی طرح سوار رہا۔ دس پاس کر لینے کے بعد انھوں نے مشرقی علوم کی منزلیں بڑی تیزی اور تواتر کے ساتھ طے کیں اور پھر انگریزی کے امتحانات یکے بعد دیگرے سر کیے اور اس طرح خداداد قابلیت اور عظیم حافظہ کی بنا پر وہ دیکھتے ہی دیکھتے گریجوایٹ ہو گئے''[16]

فکر معاش

۱۹۴۳ء میں آرمی ایجوکیشن سکول پچ مری کورس کرنے گئے اور وہاں جونیئر کمیشنڈ آفیسر منتخب ہوئے۔[17] چند دنوں بعد بہ طور انسٹرکٹر خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ میں بھی کام کیا۔ ۱۹۴۶ء میں ایجوکیشن آفیسر تعینات ہوئے۔ اسی دوران وہ سنگاپور میں خدمات انجام دیتے رہے۔[18] وہاں سے ملتان آ گئے اور یہاں بھی ایجوکیشن آفیسر رہے۔ وہاں سے ان کا تبادلہ آرمی سکول آف ایجوکیشن لوئر ٹوپہ مری ہو گیا اور

---

[12] سید عبداللہ، **سخن ور (نئے اور پرانے) حصہ دوم** (لاہور: اردو نگر اشاعت اول، 1981ء)، 218۔

[13] اوراق، لاہور: جدید نظم نمبر، جولائی اگست 1977ء 84

[14] عنوان چشتی، **شعری ہئیت کا تجربہ** (کوئٹہ: قلم قبیلہ، طبع اول، 1981ء)، 160۔

[15] محمد اسلم ضیاء، **ہفت کشور میں ہئیت و عروض کے تجربات** (لاہور: مجلس ترقی ادب، 1983ء)، 85۔

[16] پروین اختر، **جعفر طاہر ایک مطالعہ** (لاہور:، شام و سحر، 1988ء)، 45۔

[17] محمد اسلم ضیاء، ہفت کشور میں ہئیت و عرض کے تجربات، ص 80

[18] ایضاً، ص 81

۱۹۴۸ء میں یہاں سے تبدیل ہو کر کوئٹہ چلے گئے اور وہاں تین سال تک بلوچ رجمنٹل سنٹر میں ایجوکیشن آفیسر رہے۔ ۱۹۵۰ء میں ان کا تبادلہ جہلم میں ۱۹۵۴ء میں دوبارہ مری کر دیا گیا۔ یہاں اپنی زندگی کے تیرہ سال گزارے۔ یہیں پر پہلے صوبیدار میجر اور بعد میں لیفٹیننٹ کیپٹن کے عہدے پر ترقی ملی۔ بالآخر ۱۹۶۶ء میں آنریری کیپٹن کے عہدے سے ریٹائر ہوئے اور طاہر آباد جھنگ میں مستقل سکونت اختیار کی۔

ریٹائرمنٹ کے بعد جعفر طاہر کا واحد ذریعہ معاش ان کی پنشن کی آمدنی تھی۔ جس سے ان کا گزر اوقات خاصا مشکل تھا۔ چند سال فارغ رہنے کی وجہ سے بڑی بے روزگاری کا سامنا رہا۔ مالی پریشانیوں نے دوبار ملازمت کرنے پر مجبور کیا۔ آخر خوش قسمی سے انہیں ۱۹۷۲ء میں ریڈیو اسٹیشن راولپنڈی کے فوجی پروگرام میں بہ طور سکرپٹ رائٹر ملازمت ملی اور آخری دم تک اسی ملازمت کے ساتھ وابستہ رہے۔

پروین اختر اپنے مقالے ''جعفر طاہر۔۔۔ احوال و آثار'' میں لکھتی ہیں کہ خلیل الرحمٰن صاحب E.P.P.I نے مجھے ایک انٹرویو جو کہ ۱۷ فروری ۱۹۸۶ء کو راولپنڈی میں کیا گیا، میں بتایا کہ: ''فوجی بھائیوں کا پروگرام ریڈیو کا ایک احساس اور نفسیاتی سوچ کا پروگرام ہوتا ہے اور ایسے لوگوں کو اس کا انچارج بنایا جاتا ہے جو زبان و بیان پر قدرت رکھتے ہوں اور اپنے پروگرام کی نوعیت کے مطابق فیچر، انشائیے اور نغمے پیش کر سکیں۔ جعفر طاہر کئی برس تک یہ پروگرام کرتے رہے اور بڑی کامیابی سے کرتے رہے''[19]

فوجی کی ملازمت جو جعفر طاہر نے بے روزگاری کے سبب اختیار کی تھی، جعفر طاہر کی صلاحیتوں کو نکھارنے میں بہت فائدہ مند ثابت ہوئی۔ بچپن ہی سے شاعرانہ مزاج کے مالک جعفر طاہر کو فوج میں کرنل محمد خان، کرنل چوہدری نذیر احمد، میجر چراغ حسن حسرت اور کرنل فیض احمد فیض جیسی فاضل اور قد آور شخصیات کی سرپرستی ملنا اور پھر مختلف ممالک کی سیر سے ان کے تہذیب و تمدن سے آگاہی اور ان کی لائبریریوں سے استفادہ کرنا چند ایسے واقعات ہیں جنھوں نے اسے نہایت ہی پڑھا لکھا اور قادرالکلام شاعر کے لقب سے نوازا۔

یہ فوج کی ملازمت ہی کی کرامات کہ انھوں نے ملائیشیا، انڈونیشیا، سنگاپور اور دیگر کئی ممالک کی سیر کی۔ ان ممالک کی سیر سے مختلف زبانوں پر عبور حاصل کیا اور ''شاعرِ ہفت زبان'' کہلائے۔

حلیہ اور عادات و خصائل

انسان کی شخصیت اس کے گھریلو ماحول اور معاشرے کی فضا میں تشکیل پاتی ہے۔ حساس انسان معاشرے سے بہت کچھ سیکھتا ہے۔ جعفر طاہر ایک شاعر تھے، ایک حساس شاعر، ایک جذباتی شکار۔ ان کی شخصیت کی تعمیر میں جتنا ہاتھ گھریلو ماحول کا ہے اس کے ساتھ اتنا ہی اثر اس ماحول کا بھی ہے جس میں وہ پلے بڑھے، تعلیم حاصل کی، کھیلے کودے اور جوانی کی منزل میں قدم رکھا۔ اس کے بعد بسلسلہ روزگار جن جن فضاؤں میں رہے ان فضاؤں کا اثر بھی قبول کیا۔ لیکن بعض عادات جعفر طاہر کو ورثے میں بھی ملیں اور آگے چل کر اس قدر راسخ ہو گئیں کہ جعفر طاہر کی شخصیت کا ایک حصہ بن گئیں۔ والدہ سا شاعرانہ مزاج، والد کی سی انانیت، والدہ جیسی سادہ مزاجی، والد جیسی تنک مزاجی، والدہ جیسی خوبصورت گفتگو۔ ان تمام عادات و خصائل کا امتزاج جعفر طاہر تھے۔

جعفر طاہر کے دوستوں، ان کے احباب، اہلِ خانہ اور رشتہ داروں سب سے مل کر ان کی شخصیت کے مختلف رنگ مجھ پر ظاہر ہوئے ہیں لیکن اس رنگا رنگی میں بھی یک رنگی تھی۔ جعفر طاہر کی زندگی اور ان کی شخصیت کی کئی پرتیں کھل کر میرے سامنے آ گئیں۔

---

[19] شہناز انور، **جعفر کی قصیدہ گوئی** (لاہور: ماہ نو، 1993ء)، 39۔

شخصیت خارجی اور باطنی، ظاہری اور داخلی عناصر کا مرکب ہوتی ہے۔ ہمارے پیشِ نظر جعفر طاہر کی شخصیت ہے۔ اس سے قبل کہ ہم ان کی عادات و خصائل کے حوالے سے ان کے باطن کی سیر کریں، یہ ناگزیر اور بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کی شخصیت کے ظاہری حصے کو بھی دیکھ لیں تو آیئے ان کے حلیے کو ان کے اپنے الفاظ کے آئینے میں دیکھتے ہیں۔ جعفر طاہر نے ۱۹۷۰ء میں اپنے حلیے کے بارے میں ایک مقام پر یوں لکھا ہے: ''لمبا قد، کالا سیاہ رنگ بقول غالب اگر توے پر عکس پڑے تو آئندہ حلب ہو جائے، زرد زرد بیمار آنکھیں، پتلے پتلے اور تیکھے خدوخال، جوانانِ جھنگ کی روایتی جوانیوں اور کہانیوں کے برعکس وطن اور اہلِ وطن دونوں کے لیے رسوائی اور بدنامی کا باعث ہوں''[20]

لیکن یہی سانولے جعفر طاہر شیر افضل جعفری جیسے دوستوں کے لیے سانولے من بھالوے تھے۔ خوبصورت شاعری کے مالک سانولے جعفر طاہر کی شکل وشباہت سے پہلی ملاقات میں ملنے والوں کا تاثر کچھ عجیب ہوتا تھا۔

ڈاکٹر انور سدید کی پہلی ملاقات جب بعد از طویل انتظار اس شاعرِ ناسور سے ہوئی تو وہ حیرانی کے سمندر میں ڈوب گئے۔ ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں: ''اس سے ملاقات ہوئی تو میں نے جعفر طاہر کو عقیدت اور احترام کی نگاہ سے دیکھا لیکن جلد ہی حیرت کے سمندر میں ڈوب گیا۔ میں نے جعفر طاہر کا جو سراپا اپنے ذہن میں بنا رکھا تھا وہ اس سے بالکل مختلف تھا، اس کا جسم استخوانی تھا، قد لمبا اور چہرہ آبنوسی، اس پر وہ بے تحاشا سگریٹ پی رہا تھا۔ وہ قطعاً دیکھنے کی چیز نہیں تھا لیکن میں اسے برابر دیکھ رہا تھا''[21]

انور سدید اسی مضمون میں جعفر طاہر کا پورا حلیہ کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

> ''جعفر طاہر قطعاً خوش شکل نہیں تھا، اس کی قامت منحنی اور دبلی پتلی تھی۔ اس نے مختصر سے کندھوں پر اپنا محدود سا سیاہ چہرہ سجا رکھا تھا۔ اس چہرے کا صرف ایک رنگ تھا اور وہ بے حد پختہ تھا۔ ایک دفعہ اس پر کسی نے سیاہ علم کی پھبتی کسی۔ جعفر طاہر نے اس پھبتی پر ناراض ہونے کی بجائے داد دی کہ علم کی تشبیہ سے اس کی سیادت کا اثبات ہوتا تھا۔ جعفر طاہر پہلی نظر میں ہرگز متاثر نہیں کرتا تھا۔ وہ عمر رسیدہ، جہان دیدہ اور سنجیدہ تھا لیکن امورِ ظاہری میں اس نے سنجیدگی کو کبھی درخورِ اعتنا نہیں سمجھا، قد لمبا تھا اس لیے جب کبھی تنگ موہری کی پتلون پہن لیتا تو یوں لگتا جیسے سارنگی پر غلاف چڑھا دیا گیا ہو، قمیض استری شدہ بھی ہوتی تو اس کا کالر مڑا تڑا ہوتا، اس کے آبنوسی چہرے پر سب سے نمایاں اس کی آنکھیں تھیں، دنیائے دون پر حیرت کی نظر ڈالتی اور ہمہ تن سوچ میں مستغرق دو آنکھیں، جن سے روشنی کی لہر خطِ مستقیم میں سفر کرتی رہتی، جعفر طاہر سے گفتگو کرنے والا زیادہ دیر تک اس روشنی کی تاب نہ لا سکتا اور اپنی آنکھیں جھکانے پر مجبور ہو جاتا۔ اس کے چہرے کی دوسری اہم چیز اس کی مونچھیں تھیں۔ ابتدا میں یہ مونچھیں نیم تراشیدہ تھیں اور لبوں کے ساتھ باریک سے خط کی صورت دھانے تک پھیل کر مائل بہ فراز ہو جاتی تھیں، پھر جعفر طاہر نے داڑھی کو شرعی حدود میں بڑھنے کی اجازت دے دی تو مونچھوں کو بھی قدرے آزادی سے پھلنے، بڑھنے اور پھیلنے کا موقع دیا۔ اب مونچھوں کی پھننگیں اس کی انگلیوں کی زد میں رہتیں اور وہ انہیں مروڑ کر ان کا زاویہ عمودی کر دیتا۔ یہ مونچھیں جعفر طاہر کی داخلی انا اور بے پناہ قوت کا اعلامیہ تھیں اور ان سے جعفر طاہر کی شخصیت کا پورا انعکاس ہوتا تھا۔ جعفر طاہر کے چہرے پر اس کے دانت بھی نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ باتیں کرتے کرتے جعفر طاہر اچانک پھلجھڑی کی طرح قہقہہ بار ہو جاتا تو اس کے یہ سفید دانت پوری آب و تاب سے جلوہ گر ہو جاتے۔ جعفر طاہر

---

[20] **''واپسی''** ان کے غیر مطبوعہ مجموعہ، ''گردِ سحر'' میں شامل ہے۔

[21] حسن محمود اقبال، **''ہفت کشور پر ایک نظر''** **کارواں ادبی مجلہ، گورنمنٹ کالج جھنگ** (جھنگ: سلطان باہو پرنٹنگ پریس، 1984ء)، 90۔

کے یہ دانت اصلی تھے اور وہ ان سے بڑھاپے میں بھی چنے چبا سکتا تھا۔ ان میں سے کسی دانت پر بھی سونے کا پترہ نہیں چڑھا ہوا تھا پھر بھی ان میں ایک چمک موجود تھی اور یہ زور سے للکارہ مارتی تھی"[22]

اور ڈاکٹر خواجہ زکریا نے اس توانا شاعری کے مالک کمزور منحنی شاعر کو دیکھا تو لکھا:

"انہیں دنوں میں ایک روز شہید روڈ پر جوبلی سینما سے چوک ریل بازار کی طرف پیدل جا رہا تھا کہ مسجد نور کے سامنے ایک مقامی شاعر ریاض رام ایک دبلے پتلے اور حبشیوں جیسی سیاہ رنگت رکھنے والے ایک شخص کے ساتھ سنبھل سنبھل کر مؤدب انداز میں آتا دکھائی دیا میں نے اشارے سے کام کیا۔ ریاض نے خلاف معمول بے اعتنائی سے جواب دیا اور ہم مخالف سمتوں میں بڑھ گئے۔ میں ذرا آگے جا کر کسی کام سے رک گیا۔ تھوڑی دیر میں ریاض اکیلا واپس آتا ہوا دکھائی دیا۔ میں نے کہا: سنا ہے جعفر طاہر آیا ہوا ہے میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ وہ کہنے لگا: میرے ساتھ جعفر طاہر ہی تو تھا۔ اس کی بے اعتنائی کا سبب میری سمجھ میں آ گیا اور دل ہی دل میں مجھے بہت غصہ آیا مگر اب وہ غصہ بے جا معلوم ہوتا ہے کیونکہ چھوٹے شہروں میں بڑے لکھنے والے لوگوں کو ذاتی ملکیت کی طرح عزیز ہوتے ہیں"[23]

انتظار حسین نے کچھ یوں لکھا ہے: "لمبا قد، جسم سینک سلائی، رنگ کالا، دانت بڑے بڑے، ناصر کاظمی نے کہا کہ اس شخص کی شاعری تم سنو گے تو حیران رہ جاؤ گے"[24]

لیکن یہی آبنوسی رنگ کا شاعر، یہی منحنی اور کمزور شاعر ادب کے آسمان کا درخشندہ ستارہ بن کر ابھرے اور اپنی شاعری کی ضیاء باریوں سے چہرے کی سیاہی کو یوں چھپا دیا کہ کسی ان کے چہرے پر زیادہ توجہ ہی نہ رہتی بلکہ وہ اپنے لفظوں کے ذریعے سننے والوں کے دلوں میں اس طرح اتر جاتے کہ وہ ان کی گفتگو کے سحر میں گرفتار ہو جاتے اور اک بار ملتے تو بچھڑتے وقت دوبارہ جلد ملنے کی آرزو دل میں جنم لے چکی ہوتی تھی۔ یہ بدصورت انسان خوبصورت باتوں سے دوسروں کی جھولیاں بھر دیتا اور انھوں نے شاعری کو چار چاند لگا دیے اور اک چکا چوند پیدا کر دی۔ جعفر طاہر اپنی سیاہ فامی سے کسی احساس کمتری میں مبتلا نہیں ہوئے بلکہ وہ تو نازاں ہیں کہ ان کا نام افقِ ادب پر تاباں و فروزاں ہے:

طاہر سیاہ فام ہوئے ہم تو غم نہیں
روشن ہمارے نام سے نامِ سخن ہوا

جعفر طاہر کی شکل و صورت تو ہم نے دیکھ لی ہے اب ان کی باطنی شخصیت کی گہرائیوں میں جھانکنے کے لیے ہمیں ان کی عادات، مشاغل و خصائل کا ذکر کرنا ہو گا۔

جس گھر میں جعفر طاہر نے جنم لیا تھا اس کی فضا میں مذہب کا گہرا اثر تھا۔ جعفر طاہر نے خود بھی لکھا ہے: "مذہب کا احترام اور نماز روزے کی پابندی مجھے اپنے والد بزرگوار سے ملی ہے"[25]

---

[22] رضی عابدی، **"ہفت کشور (جعفر طاہر)"** (کراچی: ماہ نو اشاعتِ خاص، جلد 17 شمارہ 10/ اکتوبر 1964ء)، 47۔

[23] رفیق خاور، **"جعفر طاہر"** (کراچی: ماہ نو، جلد 9 شمارہ 04/ جولائی 1956ء)، 14۔

[24] سمیع اللہ قریشی، **"جعفر طاہر کے ہاں پاکستان کی تہذیبی اور تاریخی شناخت"** (لاہور: مجلس ترقی ادب، 1981ء)، 35۔

[25] کینٹو پاکستان کے کئی دوسرے بند اور یہ بند **"ماں اور بیٹے"** کے عنوان سے رسالہ فنون اشاعت خاص لاہور (فروری مارچ 1966ء) میں چھپے۔

اسی لیے جعفر طاہر پابندِ صوم وصلوٰۃ تھے۔ نماز کی پابندی کو ہمیشہ مدِ نظر رکھا۔ اس کی علامت ان کے ماتھے پر پڑی ہوئی محراب تھی۔ وہ تہجد بھی پڑھتے تھے۔ انھوں نے مذہبِ اسلام کا بہت وسیع اور گہرا مطالعہ کیا تھا اور گہرے مطالعے نے انہیں مذہب سے اور زیادہ نزدیک کر دیا تھا اور انھوں نے مذہب کی بہت زیادہ پابندی شروع کر دی۔ وہ عقیدتاً اہل تشیع تھے، حضرت علیؓ کے نام لیوا تھے۔ ان کی کتاب "سلسبیل" سے اہل بیت سے ان کی عقیدت واحترام کے جذبات جھلکتے ہیں لیکن بقول معین تابش وہ کہا کرتے تھے کہ میں نہ سنی ہوں نہ شیعہ۔ بلکہ ہفت کشور میں انھوں نے اصحابِ ثلاثہ کی تعریف بھی لکھی ہے۔ اگر ایک طرف حضرت علیؓ کی مدح کرتے ہیں:

یہ کون ذی جناب ہے
بلا کی آب و تاب ہے
غضب کا رعب داب ہے
اجل بھی آب آب ہے
حرم کا آفتاب ہے
یہی تو بو تراب ہے[26]

(سلسبیل)

تو دوسری طرف اصحابِ ثلاثہ کی شان میں رطب اللسان ہیں:

ہمہ صحابش عظیم و ذیشان
وفا طراز و وقارِ ایمان
حضرت عمرؓ زورِ ناتوانان
امیر عثمانؓ کہ شعلِ شام
از رخشِ مثلِ روز رخشاں

(ہفت کشور)

"سلسبیل" کے مطالعے سے قارئین کو ایسا جعفر طاہر نظر آتا ہے جس کا فرقہ واریت اور مذہبی تنگ نظری سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ان کی مذہبی شاعری ایسے روشن خیال انسان کی شاعری ہے جو انسان کو انسان سے نفرت نہیں بلکہ محبت کرنا سکھاتی ہے۔ جعفر طاہر کی مذہبی شاعری ہی سے ان کے مذہب سے لگاؤ، رسول پاک ﷺ سے عشق، اہلِ بیت سے عقیدت واحترام کے جذبات ظاہر ہوتے ہیں۔ جعفر طاہر سچے عاشقِ رسول تھے۔

[26] سمیع اللہ قریشی، **"جعفر طاہر کے ہاں پاکستان کی تہذیبی اور تاریخی شناخت"** (لاہور: مجلس ترقی ادب، 1981ء)، 37۔

معین تابش نے ایک ملاقات میں بتایا: ''جعفر طاہر بہت مذہبی انسان تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ مجھے خریدنے کی بہت کوشش کی گئی لیکن میں کسی ازم سے متاثر نہیں، میں صرف اسلام سے متاثر ہوں''[27]

پرواز جالندھری نے لکھا ہے:

وہ گدائے کوچہ حیدر ، شہنشاہِ سخن
جس کی رگ رگ میں سمائی تھی ولائے پنجتن[28]

ارشد جاوید جو جعفر طاہر کی زندگی کے آخری ایام میں ان کی صحبت سے فیض یاب ہوئے اور ان کی شاعری اور شخصیت سے از حد متاثر ہوئے۔ انھوں نے ایک ملاقات میں بتایا کہ: ''جعفر طاہر سے کسی نے سوال کیا کہ آپ مسلمانوں کے ۷۲ فرقوں میں سے کس کے مقلد ہیں تو انھوں نے جواب دیا تھا کہ میں ۷۲ فرقوں ہی سے متفق ہوں''[29]

جعفر طاہر کے چچا سید کرم حسین شاہ نے بتایا: ''جعفر طاہر کو تو جوانی میں مذہب سے کچھ زیادہ لگاؤ نہیں تھا لیکن بعد میں مذہب سے بہت زیادہ لگاؤ ہو گیا۔ داڑھی رکھ لی، پانچ وقت کے نمازی ہو گئے۔ کسی وقت تو وہ نطشے سے متاثر ہو کر دھریت کے قریب پہنچے ہوئے تھے لیکن بعد میں مذہب کا عمیق مطالعہ کیا تو پکے مذہبی آدمی بن گئے''[30]

مصدق حسین خاور بھی جعفر طاہر کے ان قریبی لوگوں میں سے ہیں جن کی جعفر طاہر نے ذہنی تربیت کی۔ مصدق حسین خاور نے بتایا: ''جعفر طاہر کی زندگی میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب وہ دھریت کے زیادہ قائل ہو گئے۔ لیکن پھر انھوں نے مذاہب کا گہرا مطالعہ کیا اور مذہبِ اسلام کا بھی گہرا مطالعہ کیا تو انھوں نے ایک یہ نظریہ بھی دیا کہ اس روئے زمین پر ہی جزا و سزا کے مسائل طے ہو جائیں گے اور یہی روئے زمین جنت بن جائے گی''[31]

جہاں مذہب سے جعفر طاہر کو شدید لگاؤ تھا وہیں مطالعہ کتب بھی ان کا جزوِ ایمان بن چکا تھا۔ کتب بینی جعفر طاہر کی زندگی بن گئی تھی۔ انھوں نے دنیا کا بیشتر حصہ گھوم پھر کر دیکھا اور مشاہدے سے بھی اپنے علم میں اضافہ کیا اور کتب سے بھی علم کے خزانوں میں اضافہ کیا۔ اوائلِ عمری ہی سے جعفر طاہر پڑھنے کے اتنے شوقین تھے کہ ہم عمروں کے برعکس ان کے مشاغل علمی تھے۔ وہ سکول میں، گھر میں صرف اور صرف کتابوں میں گم رہتے۔ جوں جوں منازل عمر طے کرتے رہے اس شوق میں اضافہ ہوتا گیا اور وسعتِ مطالعہ میں بھی اپنے ہم عمروں کو پیچھے چھوڑتے آئے۔ خدا تعالیٰ نے حافظہ بخشنے میں بھی فیاضی دکھائی تھی اس لیے جو پڑھا وہ یاد رہ گیا۔

شیر افضل جعفری لکھتے ہیں:

---

[27] رضی عابدی، **''ہفت کشور (جعفر طاہر)''** (کراچی: ماہ نو اشاعتِ خاص، جلد 17 شمارہ 10/ اکتوبر 1964ء)، 54۔

[28] محمد اسلم ضیاء، **ہفت کشور میں ہیئت و عروض کے تجربات** (لاہور: مجلس ترقی ادب، 1983ء)، 80۔

[29] رضی عابدی، **''ہفت کشور (جعفر طاہر)''** (کراچی: ماہ نو اشاعتِ خاص، جلد 17 شمارہ 10/ اکتوبر 1964ء)، 54۔

[30] جعفر طاہر، **سلسبیل** (رحیم یار خان: ممتاز اکیڈمی، 1973ء)، 8۔

[31] **ایضاً**

"تشنہ کربلا کے اس لقمان شمائل پوتے نے علم و فن کے بحر بے پایاں میں اپنی عمر عزیز کا جہاز لنگر انداز کر کے بڑی بے تحاشگی سے آب کتاب پینا شروع کیا اور مرتے دم تک سبو پہ سبو اور خم پہ خم چڑھاتا رہا لیکن پیاس تھی کہ بجھنے میں نہ آتی تھی۔ حافظہ تھا کہ سیر ہونے کا نام بھی نہ لیتا تھا۔ پنجابی، سرائیکی، سندھی، پوٹھوھاری، اردو، بنگالی، عربی، انگریزی، فارسی، تاریخ، جغرافیہ، نظم، نثر، راگ، نرت، طال، طبلہ، غرضیکہ جس زبان، جس علم، جس فن، جس ہنر پر بھی دل آیا اسے انتہا تک حاصل کرنے کی پوری کوشش کی اور اس ضمن میں بڑی حد تک کامیاب بھی رہے۔ جو کچھ بھی پڑھا تقریباً یاد تھا حتی کہ کتابوں کے مصنفین کے اسماء، صفحات کی تعداد قیمت اور ملنے کے پتے ازبر تھے۔ ایک دفعہ ایک بہت بڑے سیرت النبی ﷺ کے جلسہ میں ایک عالم دین تقریر فرما رہے تھے انہیں ایک حدیث شریف کا حوالہ دینے کی ضرورت محسوس ہوئی، حافظہ ساتھ نہ دے سکا۔ جعفر طاہر نے فوراً حدیث پڑھ کر لقمہ دیا۔ حاضرین مرحوم کی حاضر دماغی پر حیران ہو گئے اور مقرر موصوف نے بھی شکریہ کے لہجے میں آداب کیا"[32]

جعفر طاہر تو علم کا سمندر بن گئے تھے جس میں ان گنت، بیش بہا صدف و گوہر موجود تھے۔ جو بھی اس سمندر کے قریب جاتا اپنا دامن ان موتیوں سے بھر لیتا تھا۔ لیکن یہ گوہر نایاب ختم نہیں ہو رہے تھے۔ ان شناورِ علم نے سمندرِ علم میں غوطے لگا لگا کر یہ گوہر نایاب حاصل کیے اور وہ انہیں دوسروں میں بانٹتے رہتے تھے۔ شیر افضل جعفری مزید لکھتے ہیں:

"جعفر طاہر کتابوں کے پتنگے تھے۔ پچھلی رات دو بجے بستر سے اٹھتے، منہ ہاتھ دھوتے، چائے ابالتے، حقہ تیار فرماتے اور پھر دمادم پڑھتے لکھتے جانا ان کا معمول بلکہ مذہب بن چکا تھا۔ یہ کتابوں سے مواد چوستے اور کتابیں ان کا لہو پیتی تھیں۔ جعفر طاہر کتب بینی کی سسی کے پنوں، شاعری کی شیریں کے فرہاد، انشاء پردازی کی سوہنی کے مہینوال اور تقریر کی صاحبان کے مرزا تھے۔ انھوں نے اپنی اولاد کا مستقبل بھی اسی شوقِ شریف کی بھینٹ چڑھا رہا تھا"[33]

جعفر طاہر نے اپنی زندگی کتابوں کے لیے وقف کر رکھی تھی اسی لیے ان کی ذاتی لائبریری میں ہر قسم کی کتاب موجود تھی۔ کتابیں پڑھنے کے ساتھ ساتھ انہیں کتابیں جمع کرنے کا بھی شوق تھا اور جہاں سے اچھی کتاب ملتی اسے اپنی لائبریری کی زینت بنا لیتے۔

معین تابش نے بتایا[34] کہ وہ کسی کی ذاتی کتاب کو بھی اس زینت میں اضافہ کرنے کے لیے استعمال کرنے سے دریغ نہ کرتے تھے بلکہ اکثر اوقات وہ کسی کی کتاب لے کر واپس نہ کرتے تھے بلکہ وہ کہا کرتے تھے کہ کتابوں کی چوری ناجائز نہیں ہے۔

جعفر طاہر کی لائبریری میں شاعری، نثر، علم نجوم، علم طب، تاریخ، موسیقی، بین الاقوامی ادب پر مشتمل ہزاروں کی تعداد میں کتابیں تھیں لیکن افسوس کہ اس ذخیرہ کتب کی بیشتر تعداد جھنگ میں ۱۹۷۳ء کے سیلاب کی نذر ہو گئی جس کا انہیں سخت قلق تھا۔ اسی سیلاب کی نذر ان کا مکان بھی ہو گیا تھا لیکن انہیں سب سے زیادہ صدمہ ان نایاب کتب کی بربادی کا تھا جو پانی بہا کر لے گیا۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں:

"خصوصاً قیمتی کتابیں خریدنا ان کی عادت میں شامل تھا۔ ایک مرتبہ ہم چند شعراء ان سے ملنے ان کے گھر جا پہنچے۔ وہ لپک کر گھر سے چارپائیاں نکال لائے، ہم کھری چارپائیوں پر بیٹھ گئے۔ انھوں نے چائے بنوائی، باتیں شروع ہوئیں، تھوڑی دیر کے بعد شیر افضل جعفری سے مخاطب ہو کر کہنے

---

[32] ایضاً، 8۔

[33] ایضاً

[34] ایضاً، 9۔

لگے: جعفری، تمہیں کیا پتہ؟ تم اُردو کے روبرٹ برتر ہو، میں نے برتر کا مجموعہ پچاس روپے میں خریدا تھا، پھر مجھ سے مخاطب ہوئے اس کچے مکان میں پاکستان کی بہترین کتابیں موجود ہیں۔ سا کے بعد دیر تک اپنی وسعتِ مطالعہ پر گفتگو کرتے رہے۔ کئی گھنٹے ہم لوگ وہاں بیٹھے رہے، مختلف موضوعات زیرِ بحث آئے۔ زیادہ تر گفتگو وہی کرتے رہے۔ اندازہ ہوتا تھا کہ شاعری، موسیقی اور مصوری وغیرہ کے موضوعات پر ان کا مطالعہ کتنا وسیع ہے"[35]

جعفر طاہر کے علم کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ وہ کئی زبانوں پر عبور رکھتے تھے اور کئی زبانوں سے انہیں آگاہی تھی۔ انہیں "ہفت زبان" بھی کہا جا سکتا ہے۔ اسی ہفت زبانی کی مظہر "ہفت کشور" اور "ہفت آسمان" ہیں۔ انہیں عربی، اُردو، فارسی، بنگالی، انگریزی، پنجابی، چینی پر عبور حاصل تھا اور اس کے علاوہ ہندی، سندھی، جرمن، فرنچ سے بھی آگاہی تھی۔ ان زبانوں میں وہ بے تکلف بول اور لکھ سکتے تھے۔ چونکہ ان زبانوں پر عبور تھا۔ اسی لیے ان زبانوں میں لکھے جانے والے ادب کا بھی وسیع مطالعہ تھا۔

کتابوں کے بارے میں اور ادب سے جعفر طاہر کے شغف کے متعلق بتاتے ہوئے ارشد جاوید[36] نے ایک واقعہ سنایا کہ پاکستان کے ایک سابق وزیر خارجہ نے جھنگ کے ڈپٹی کمشنر قدرت اللہ شہاب سے کہا کہ میں بین الاقوامی ادب پر کچھ کتابیں خریدنا چاہتا ہوں اس لیے آپ میرے ساتھ یورپ چلیں۔ قدرت اللہ شہاب نے کہا کہ میں اپنے سے بھی زیادہ قابل اور وسیع المطالعہ آدمی آپ کو دیتا ہوں۔ آپ جھنگ کے مشہور شاعر جعفر طاہر کو ساتھ لے جائیں۔ اس واقعے سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جعفر طاہر کا بین الاقوامی ادب کا کتنا وسیع مطالعہ تھا اور ان کی معلومات کتب کی قدر زیادہ تھیں۔

☆☆☆

[35] ایضاً

[36] ایضاً